تاثرات

اس میں شبہ نہیں کہ جمہوریت بہترین سیاسی نقطۂ نظر ہے اور ایسی عمدہ قدر ہے کہ جس کی حفاظت وارتقا کے لیے معاشرہ کو ہمیشہ کوشاں رہنا چاہئے۔ اس حقیقت کے مان لینے میں بھی تامل نہیں ہونا چاہئے کہ یہ صرف حکومت و اقتدار کا عادلانہ سانچہ ہی نہیں ایک مخصوص نوع کے ذہن و فکر کی تخلیق کی بھی ذمہ دار ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ دنیائے انسانیت نے اسے بڑی ہی قربانیوں کے بعد حاصل کیا ہے۔ تاہم یہ بات بھی بغیر کسی خوف تردید کے کہی جا سکتی ہے کہ اس کی برکات کا دائرہ ہر حال میں وسیع نہیں اور ہر قوم و ملک اس کی خمیم انگیزیوں سے کماحقہ استفادہ نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے کچھ شرائط ہیں۔ جن کا پایا جانا نہایت ضروری ہے۔ یہی نہیں جن کے بغیر نہ صرف جمہوریت غیر موثر رہتی ہے بلکہ مضر ثابت ہوتی ہے۔ سب سے پہلے تو معاشرہ میں ذہنی شعور اس حد تک بیدار ہونا چاہیئے کہ کوئی لالچ یا طمع کسی شخص کی رائے یا ووٹ کو متاثر نہ کر سکے۔ یعنی ہر شخص کسی سیاسی معاملہ میں جب بھی رائے قائم کرے یہ سوچ سمجھ کر کرے کہ اس سے میرے ملک اور قوم کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انتظامیہ کو دیانتداری سے اپنے فرائض انجام دینا چاہئیں۔ اور اس کی پرواہ نہیں کرنا چاہیئے کہ کونسا گروہ برسر اقتدار ہے اور کونسا برسر اقتدار نہیں ہے سب سے آخر میں یہ ضروری ہے کہ معاشرہ کو بڑے زمینداروں کی دخل اندازیوں سے کلیتہً محفوظ رکھا جائے اور زمین کے مسئلہ کو ایسی منصفانہ اور سائنٹفک بنیادوں پر حل کیا جائے کہ ملک کا اسّی فی صدی طبقہ اس سے بہرہ مند ہو سکے۔ یہ طبقہ جو دیہات میں پھیلا ہوا ہے اور جو ہماری معیشت کی اصلی قوت اور جان ہے۔ اس کی کیا اہمیت ہے اور ہماری زندگی میں اس کا کیا درجہ ہے؟ اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس کی تعمیر و اصلاح پورے پاکستان کی تعمیر و اصلاح ہے۔ اور اس کا بگاڑ اور بے اطمینانی ہمارے اقتصادیات کے پورے نظام کو بگاڑ دینے کے مترادف ہے۔ لہٰذا دیانتداری سے اگر ہم چاہتے ہیں کہ جمہوریت پھلے پھولے اور پروان چڑھے تو اس طبقہ کے لیے خصوصیت سے ایسے حالات پیدا کرنے ہوں گے کہ یہ بڑے بڑے آقایان ارض کے چنگل سے رہائی حاصل کر سکے اور آزادانہ ملک کی سیاسیات میں حصہ لے سکے۔ ورنہ جمہوریت کا تصور محض ایک مذاق ہوگا۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ ہماری فوجی حکومت جمہوریت کی اس قدر و قیمت اور اس کے ان لوازم سے پوری طرح آگاہ ہے۔ اس کی تین چار ماہ کی کارگزاری کے نتائج یہ ہیں کہ معاشرہ میں بلندیٔ اخلاق کا احساس ابھر رہا ہے۔ قومی شعور بڑھ رہا ہے

اور لوگ دس گیارہ برس پہلے کے سیاسی تعصبات کو فراموش کر کے ایسے نقطۂ نگاہ کو اپنا رہے ہیں جو ہر لحاظ سے حقیقت پسندانہ ہے۔ انتظامیہ بھی پہلے سے زیادہ فعال اور دیانتداری کی طرف مائل ہے۔ مسئلہ اراضی کے بارہ میں بھی حکومت اعلان کر چکی ہے کہ جلد ہی اس کا عادلانہ اور سائنٹفک حل دریافت کر لیا جائے گا۔ جس میں بغیر طبقاتی نفرت پھیلائے اور کسی نظریاتی اختلاف کو پیدا کئے زمینداروں کو اپنے حدود میں رہنے پر مجبور کر دیا جائیگا۔

ترقی کی یہ رفتار خاصی حوصلہ افزا ہے۔ اس کو دیکھتے ہوئے بغیر کسی جھجک کے کہا جا سکتا ہے۔ اگر اخلاص و عمل کا یہی عالم رہا تو وہ دن دور نہیں جب جمہوریت کا آفتاب پوری تابانی کے ساتھ جلوہ آرا ہوگا۔ اور اس کا سہرا اس فوجی حکومت کے سر ہوگا جس نے نہایت ہی نازک حالات میں ملک کو تباہی سے بچا لیا۔ اور صحیح اور مفید جمہوریت کی طرف قدم بڑھانے کی جرأت کی۔

گذشتہ زمانے میں بین الاقوامی قانون کا کوئی واضح اور متعین ڈھانچہ موجود نہیں تھا۔ اور قومیں سوا چند مفاہمتوں کے جن کا اخلاقی طور پر احترام کیا جاتا کسی جچے تلے اور مرتب مجموعہ قوانین سے آشنا نہیں تھیں۔ یہ مسئلہ بڑھتے ہوئے استعمار اور موجودہ حکومتوں کی باہمی آویزش سے پیدا ہوا ہے۔ صنعتی ارتقا نے خصوصیت سے اس کو ہوا دی۔ اور بڑے بڑے بحری بیڑوں، آبدوزوں، آواز کی رفتار سے بھی آگے بڑھ جانے والے طیاروں اور راکٹوں نے تو بین الاقوامی قانون اور اس کے احترام کے مسئلہ کو پہلے سے کہیں زیادہ ضروری اور اہم ٹھہرا دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کی بنیاد کیا ہو۔ اور اگر کوئی بڑی قوم یا ملک حدود و انصاف سے تجاوز کرے تو منشائے قانون کو کیونکر منوایا جائے جب کہ اس کی پشت پر کوئی گورنمنٹ، کوئی اقتدار اور کوئی طاقت نہ ہو۔ ایک بڑی پیچیدگی اس راہ میں فکر و نظر کے بین اختلاف کی ہے۔ مغرب اور اس کے حلیف ممالک کے سوچنے کا انداز قدرتاً ان ممالک سے جدا ہے جو اشتراکی قدروں کی اشاعت چاہتے ہیں اور غیر مشروط طور پر چاہتے ہیں۔ اب جب تک یہ اختلاف دور نہیں ہو جاتا اور دونوں بلاک سر جوڑ کر نہیں بیٹھتے، کوئی صحت مند بین الاقوامی مفاہمت پیدا نہیں ہو سکتی۔ بین الاقوامی قانون کی اطاعت و موثریت کا مسئلہ کسی ایک ملک کا مسئلہ نہیں بلکہ موجودہ حالات میں ساری دنیا کا مسئلہ ہے۔ اور ایسا اہم مسئلہ ہے کہ تنہا اس سے آئندہ دنیا کی تمام تر ترقیات وابستہ ہیں۔ تھوڑی دیر کے لیے اس وسیع ترین حلقہ کو چھوڑیئے جس کا تعلق روس اور اقوام مغرب یا ان کے حلیف ممالک سے ہے۔ پاکستان اور بھارت کے دائرے میں جو اختلافات رونما ہیں ان پر غور کیجئے۔ کشمیر اور نہری پانی کے مسئلہ نے دونوں ملکوں میں کس قدر پریشانی پیدا کر رکھی ہے اور کتنے تعمیری کاموں کو اٹکا رکھا ہے۔ اگر بھارت کے لیڈروں میں عدل و انصاف کے دواعی پیدا ہو جائیں۔ بین الاقوامی مشکلات کو سمجھنے اور ان کو مٹانے کا شعور بیدار ہو جائے تو ان کے وسیع ترین ملک کے لیے یہ بات کس درجہ اطمینان بخش ثابت ہو سکتی

ہے۔ لیکن سوال پھر یہی ہے کہ ان میں یہ شعور کون پیدا کرے۔ اور بین الاقوامی انصاف کے اس تقاضے کو کون منوائے۔ پچھلے دنوں دہلی میں دنیا بھر کے مقننین نے مل جل کر اطاعتِ قانون کے مسئلہ پر غور کیا۔ اور سوچا ہے کہ اس دور کی قوموں میں اس جذبہ کو کس طرح ابھارا جاسکتا ہے۔ ان کے فیصلوں کی تفصیلات اس وقت سامنے نہیں آئیں، اس لیے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ان کی کوششیں کس حد تک کامیابی کے مراحل سے گذرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ تاہم اتنی بات بالکل واضح ہے کہ اس ڈھنگ کی کانفرنسیں اگر اونچے پیمانے کا ڈھونگ نہیں ہیں اور اس سے مقصود محض پبلسٹی اور پروپاگنڈا نہیں ہے تو انہیں ان مسائل کے بارہ میں واضح اور جرأت مندانہ قدم اٹھانا چاہیئے جو مختلف فیہ ہیں۔ اور واضح لفظوں میں جارح اور حملہ آور کی مذمت کرنا چاہیئے۔ اس سے کم از کم یہ ہوگا کہ حملہ آور ملک کے عوام متاثر ہوں گے۔ اور اپنے ملک کی سیاسی حکمت عملی کو بدلنے میں مدد دیں گے۔ ہمارے نزدیک اس مسئلہ کی اہمیت اس سے بھی زیادہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر بھارت کشمیر اور پانی کے مسئلہ میں ضمیر کی آواز سننے کے لیے تیار نہیں ہے تو وہ کس منہ سے اخلاق و تہذیب کی بلند قدروں کو اپنے ہم وطنوں کے سامنے پیش کر سکے گا۔ اور کیونکر ہندو معاشرہ میں ان اقدار کو سمو سکے گا۔ پنڈت نہرو ایسے سمجھ دار انسان سے یہ توقع نہیں کہ وہ زیادہ دیر تک اس غلط فہمی میں مبتلا رہ سکیں۔ کہ جو قوم سیاسیات میں اعلیٰ اصولوں کو نہیں اپنا سکتی اس کو اخلاقیات میں بھی مجبور نہیں کیا جا سکتا، کہ بہر حال اعلیٰ اقدار کی حامل رہے۔ زندگی ناقابل تقسیم ہے۔ اور نہ ہر جب جسم کے ایک حصہ میں سرایت کرتا ہے تو دوسرے حصے اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

(محمد حنیف ندوی)